ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد
کے
تعلیمی نظریات کا موازنہ

ظفر اقبال محسن کا تحقیقی مقالہ

کسی شخصیت کے بارے میں لکھنا' ادب کی اصناف میں سے مشکل ترین صنف سے تعلق رکھنے والا کام ہے اور یہ کام اس وقت اور بھی دقیق ہو جاتا ہے جب وہ شخصیت بہت بڑی اور ہمہ پہلو ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ دو شخصیات کا موازنہ ـــــ وجہ یہ ہے کہ شخصیت شناسی اور شخصیت نگاری میں ذاتی پسند و ناپسند کے باعث انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ایک کڑے امتحان سے کم نہیں ہوتا اور کسی نہ کسی طرح مبالغہ آرائی کا پہلو در آتا ہے۔ کچھ ایسی ہی مشکل موضوع تحقیق سے متعلقہ دو عظیم شخصیات کے بارے میں لکھتے وقت پیش آئی جسے پروردگار عالم نے اپنے خصوصی لطف و کرم سے آسان بنا کر راقم حروف کو یہ ہمت بخشی کہ وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔

ان میں سے علامہ اقبالؒ کی شخصیت وہ ہے کہ کوئی شخص خواہ آپ کے کلام کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو' آپ سے عقیدت رکھتا ہے۔ لیکن اس عقیدت کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بہت واضح ہے کہ علامہ کے فکر و فلسفہ' تعلیمات اور نظریات کی عمیق گہرائیوں تک پہنچنا اور علم کے بحر بے کراں میں سے چند قیمتی موتیوں کا منتخب کرنا' کسی بھی طرح سے آسان کام نہیں ہے۔ ان کی شخصیت کی سادگی کے برعکس ان کی فکر' ان کا فلسفہ' ان کے نظریات اس قدر گہرے' پُر مغز اور بصیرت افروز ہیں کہ معمولی سے "اِن پُٹ" لینے والے اقبال کے اس عظیم "آؤٹ پُٹ" سے ہم ہمیشہ مستفیض ہوتے رہیں گے۔ حقیقت میں وہی لوگ زندۂ جاوید ہیں جو معاشرے سے کچھ لینے کی بجائے معاشرے کو ہمیشہ ہمیش کام آنے والا

آؤٹ پُٹ دے جاتے ہیں۔ دراصل اِن پُٹ اور آؤٹ پُٹ کے موازنے کا یہ وہ پیمانہ ہے جس سے شخصیت شناسی' آئینے کی طرح کھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور جس میں کسی جانبداری اور مبالغہ آرائی کا گمان بھی نہیں رہتا۔ یہی وہ معیار ہے جس پر زیر مطالعہ شخصیات اور ان کے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں لکھنا اس لئے مشکل تھا کہ ڈاکٹر صاحب نہ تو ایک ماہر تعلیم کے طور پر معروف ہیں اور نہ ہی ان کے تعلیمی نظریات کسی ایک جگہ مرتب حالت میں دستیاب ہیں۔ پھر علم کی مختلف اقسام اور لاتعداد ہمہ پہلو موضوعات پر قلم اٹھانے اور خطبات و دروس دینے کے باوجود انہوں نے مرتب حالت میں اپنے سوانحی حالات نہ کبھی تحریر فرمائے نہ بیان۔ اسی طرح ان کے تعلیمی نظریات' ان کے مختلف خطبات' دروس اور تصنیفات میں منتشر تو ملتے ہیں کسی ایک جگہ یکجا نہیں۔ ان سب کو مختلف ذرائع سے حاصل کرنا' منتخب کرنا اور تحریر کرنا ایک محنت طلب کام تھا جو بہرحال پایہ تکمیل تک پہنچ کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یہ کام کتنا ہی مشکل اور محنت طلب کیوں نہ ہو اس کی اہمیت اور ضرورت مسلمہ ہے۔ وہ اس لئے کہ کسی بھی کام' تحریک یا نظام میں نظریے کی حیثیت روح کی ہے اور بے نظریہ تعلیم سے نہ تو کچھ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کہیں پہنچاتی ہے۔ بلکہ راقم حروف کی رائے میں بے نظریہ تعلیم' تعلیم ہی نہیں ہوتی۔ ہم پاکستانی بحیثیت قوم پچھلی نصف صدی سے جہالت اور بے مقصدیت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارا نظام تعلیم اپنا نہیں ہے بلکہ انگریزوں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ اس میں ہم آج تک اپنے فلسفہ و فکر کی روح داخل نہیں کر سکے۔ ہمارے اسلاف اور بزرگان ملت نے قرآن اور حدیث کے لازوال سرچشمہ ہدایت سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے زندگی کے ایک ایک گوشے سے متعلقہ نظریات پیش کئے ہیں اور امت مسلمہ کی صحیح سمت راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ لیکن امت مسلمہ کی بدقسمتی یہ ہے کہ ان کیلئے وہ نظریات' نظریات ہی رہ گئے۔ انہوں نے ان نظریات کو اپنی زندگیوں میں عملی حیثیت نہ دے کر اپنے لئے "شعار غیر" کو پسند کیا اور آج نتیجہ معلوم ہے کہ پچاس برس ہوئے جسمانی آزادی حاصل

کئے بگر ذہنی' فکری اور نظریاتی سطح پر ابھی تک ہم انہی کے غلام ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلاف کے افکار اور نظریات کی روشنی سے اپنے نظام زندگی کو منور کیا جائے اور بالخصوص تعلیم کے سلسلہ میں اس امر کی طرف توجہ دی جائے کہ اس مروجہ دوزنے نظام کو ختم کر کے قرآن وحدیث اور بزرگان ملت کے افکار و نظریات پر مبنی اپنا نظام تعلیم رائج کیا جائے تاکہ ہم بحیثیت قوم جہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم کی روشنی کی طرف آ سکیں۔

اس تحقیقی مقالے کی تکمیل کے سلسلہ میں راقم حروف محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا شکر گزار ہے جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے دو تین دفعہ وقت دے کر مختلف سوالات کے تسلی بخش جوابات مرحمت فرمائے۔ اس سارے کام میں محترم جناب حافظ عاکف سعید اور برادرم محبوب الحق عاجز کا تعاون شامل رہا۔ اس مقالے کے لئے راقم کی راہنما استاد محترمہ خالدہ انجم صاحبہ کا شکریہ بے حد ضروری ہے جنہوں نے ہر موقعہ پر بھرپور راہنمائی فرمائی۔ علاوہ ازیں مصنف اپنے والدین' اساتذہ کرام اور اپنے دوست ملک سعید عالم کا سپاس گزار ہے جنہوں نے اس کام کے لئے ہمت افزائی کی۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس پیش کش میں اگر کوئی سقم محسوس کریں تو مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

عن عبداللّٰہ بنِ مسعودٍ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :

((لاَ حَسَدَ اِلاَّ فِی اثْنَتَیْنِ : رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَهُ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ' وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِی بِهَا وَیُعَلِّمُهَا)) (متفق علیه)

"صرف دو آدمی قابل رشک ہیں : ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا کیا ہے اور وہ اِسے راہِ حق میں لٹا دینے کے درپے ہے' اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت و دانائی سے بہرہ مند کیا ہے اور وہ اِس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اِسی کی تعلیم دیتا ہے۔"

ابتدائیہ

موجودہ دور بجا طور پر نظریات، فلسفہ و فکر اور علوم و فنون کی بالادستی کا دور ہے۔ اقوام عالم علوم و فنون، ثقافت و روایات اور تہذیب و تمدن میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں ہیں کیونکہ پوری دنیا نے بہرحال یہ جان لیا ہے کہ بڑھتے ہوئے مسائل اور پھیلتی ہوئی مشکلات کا حل لوہے کے مادی آلات کے پاس نہیں بلکہ اصل شے وہ انسانی تفکر و تدبر اور وہ سوچ و فلسفہ ہے جو ان مشکلات کے صحیح حل تجویز کر کے انسانیت کو ان سے نجات دلا سکتا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

جہانِ تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

چنانچہ معاشرے کی تعمیر و ترقی اور اصلاح کے لئے نظریات کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ ان ہی میں مسائل زندگی کے حل پنہاں ہوتے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہوتی ہے کہ ان نظریات کو عملی جامہ پہنا کر انسانیت کی فلاح و بہبود کو ممکن بنایا جائے۔

دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی کی طرح تعلیم کے میدان میں بھی مختلف نظریات ہیں۔ آج کے دور میں تعلیم ایک منظم اور مربوط عمل کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ جیسے جیسے معاشرتی زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں میں نظریات کا اثر و نفوذ بڑھتا جا رہا ہے، اسی طرح تعلیم میں بھی نظریات کا اثر زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشرتی تبدیلیاں اور حالات تعلیم پر اور تعلیم معاشرے پر اثر چھوڑتی ہے۔ معاشرہ چونکہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اس لئے افراد کے نظریات تعلیم کو اور تعلیم افراد کے نظریات کو متاثر کرتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

اَفراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے مِلّت کے مقدر کا ستارہ

تاریخ اسلام اس لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے کہ مسلمان مفکرین کی ایک بڑی تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے اور انہوں نے اپنی فکر' اپنے نظریات اور اپنی تعلیمات کے ذریعے مسلمانوں کی اصلاح اور انسانیت کی بہبود کے لئے راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور یہی حال تعلیم کے میدان میں بھی ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ؐ میں تعلیم کی اہمیت و فضیلت کو جس انداز میں بیان کیا گیا ہے' وہ محتاج تعارف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے شروع سے علوم و فنون کو اپنا سرمایہ بنایا اور مسلمانوں کی تاریخ میں بڑی بڑی علمی شخصیات پیدا ہوئیں۔ تعلیم و تدریس کے میدان میں جن لوگوں نے بالخصوص اپنی فکر کے چراغ روشن کئے ان میں امام غزالیؒ' امام ابن خلدونؒ' شاہ ولی اللہؒ' امام ابن تیمیہؒ اور علامہ اقبالؒ کے نام نمایاں ہیں۔

ان میں سے علامہ اقبال وہ شخصیت ہیں جن کی تعلیمات نے اس زمانے میں مسلمانوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو ان کا الگ تشخص یاد دلانے اور انہیں ایک قوم کی حیثیت سے بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے اپنے نظریات' فلسفہ اور شاعری کو اصلاح احوال کے لئے استعمال کیا۔ سیاست' معیشت' اقتصاد' تعلیم' معاشرت' ثقافت' الغرض ہر شعبہ زندگی میں آپ کی تعلیمات مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے باعث تقلید ہیں۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتہاد کے احیاء کے داعی ہیں اور مسلمانوں کو علمی و عملی میدان میں عروج کی راہ پر گامزن دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ تعلیمی میدان میں بھی آپ کے نظریات بہت واضح اور نمایاں ہیں۔ آپ کے یہ نظریات آپ کے فلسفے' شاعری' خطبات اور خطوط میں جابجا ملتے ہیں۔

موجودہ دور میں دولت اور وسائل رکھنے کے باوجود پوری دنیا میں مسلمان زوال پذیر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی میں پسماندہ ہیں۔ یہی حال پاکستان کا بھی ہے۔ لیکن اس دور زوال میں بھی ایسی شخصیات ہیں جو اپنی فکر' سوچ' نظریات اور تعلیمات کے ذریعے اصلاح احوال کی راہ تجویز کر کے مسلمانوں کو آمادۂ عروج کرنے میں مصروف ہیں۔ انہی میں سے ایک شخصیت ڈاکٹر اسرار احمد کی ہے۔ آپ اپنے گہرے مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں دینی' تحریکی اور فکری میدانوں کے

علاوہ تعلیم و تدریس کے میدان میں بھی مصروفِ جہاد ہیں۔ آپ قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج قائم کر کے مسلمانوں کی علمی میراث کو محفوظ کرنے اور مسلمانوں کو رُو بہ عروج کرنے کی جدّوجُہد کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے تعلیمی نظریات آپ کی کتب اور آپ کے خطبات و دروس میں سے ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں مفکرین کی ہمہ گیر شخصیات اور پُر اثر نظریات کی بنیاد پر ان کے تعلیمی نظریات کو تحقیق کا موضوع بنایا گیا ہے۔ اس تحقیق میں دونوں مفکرین کے خیالات اور نظریات کا علم حاصل کرنے کے لئے ان کے تعلیمی نظریات میں مماثلات اور اختلافات کو زیرِ مطالعہ لایا گیا ہے۔

پاکستان چونکہ علامہ اقبال کے تصورِ فکر کا نتیجہ ہے اس لئے پاکستان میں تعلیمی نظام کی تشکیل و اصلاح کیلئے اقبال کے تعلیمی نظریات کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ اقبال کے دور کے حالات اور موجودہ حالات میں بہت تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اس تناظر میں یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ دور کے مفکرین اور دانشور حضرات کے نظریات کا بھی مطالعہ کیا جائے جو اسلامی روایات و اقدار کو جاننے اور سمجھنے کے ساتھ ساتھ موجودہ مسائل اور ضروریات کا ادراک بھی رکھتے ہوں۔ اس مقصد کے تحت ڈاکٹر اسرار احمد جیسی دانشور اور عالم دین شخصیت کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نہ صرف تحریک پاکستان میں پیش پیش رہے ہیں اور اس میں انہوں نے عملی طور پر حصہ لیا ہے بلکہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک کے حالات پر ان کی گہری نظر ہے اور تاریخ پاکستان کا سارا نقشہ ان کے سامنے ہے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی ذہنی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

باب دوم

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

اقبال ـــــ صنم کدۂ ہندوستان کے مشہور فلسفی اور مؤمن شاعر ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری اور تعلیمات کے ذریعے خوابِ غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم کو جگانے اور ملت اِسلامیہ کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کی وہ ہمہ جہت اور دانش مندانہ ہستی جس نے مذہب' فلسفہ' تاریخ' شاعری' تعلیم اور دوسرے بہت سے شعبوں میں اپنی فکر رسا کے چراغ روشن کئے۔ سرزمین سیالکوٹ میں ۱۸۷۷ء میں جلوہ گر ہوئی۔ اِبتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی' جہاں مولوی میر حسن جیسے روشن دماغ اَساتذہ سے اِکتسابِ فیض کا موقع ملا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور پنجاب یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم۔ اے کرنے کے بعد پیشہ معلّمی اِختیار کیا۔ لیکن تعلیم دینے کی بجائے تعلیم حاصل کرنے کی تڑپ ابھی سوا تھی' سو اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۰۵ء میں یورپ تشریف لے گئے۔ وہاں سے ایل۔ ایل۔ بی اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرکے سر زمین وطن لوٹے۔ آپ کے علم و فضل' شاعری اور دوسری اَدبی خدمات کے پیش نظر' حکومت برطانیہ نے آپ کو "سر" کے خطاب سے نوازا۔ ۱۹۲۸ء میں آپ نے جنوبی ہند کا دورہ کیا اور اِسلام کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر لیکچرز دیئے۔ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے الٰہ آباد کے اجلاس میں تاریخی خطبہ دیا اور تصور پاکستان پیش کر کے "مصور پاکستان" کہلائے۔ عالم اسلام کے یہ نامور مفکر ۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اقبال علیہ الرحمۃ کی شاعری اسلام کی ترجمان اور مسلمانوں کی ثقافت کی آئینہ دار ہے۔ آپ کا "فلسفہ خودی" ہو یا "فلسفہ بندۂ مومن" "فلسفہ انسان کامل" ہو یا "فلسفہ اِنقلاب" "فلسفہ تعلیم" ہو یا "فلسفہ حرکت و عمل" الغرض آپ کا کوئی پیغام ہو' اِسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے عروج و ترقی کی تمناؤں سے لبریز نظر آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ

آپ کے کلام و پیغام میں رجائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ آپ اُمید کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے بلکہ حرکت و عمل کا درس دیتے ہیں۔

چنانچہ جب آپ نے مسلمانوں کو مایوسی اور زوال کا شکار دیکھا تو آپ کے ذہن میں اِصلاح احوال کی تجویز یہ سوجھی کہ مسلمانوں کو اپنے نظام تعلیم میں اِنقلابی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔ اس مقصد کے لئے آپ نے ایک تعلیمی ادارے "دارالاسلام" کے قیام کا منصوبہ بنایا۔ آپ نے اپنے ایک عقیدت مند چوہدری نیاز علی سے جب اِس ادارے کے قیام کا ذکر کیا تو انہوں نے اِدارے کے لئے زمین بھی دے دی اور عمارت کی بنیاد بھی رکھ دی۔ علامہ اقبال نے الازہر یونیورسٹی مصر کے ریکٹر علامہ مصطفیٰ المراغی کو خط لکھا اور اُن سے ایک ایسے جدید تعلیم یافتہ عالم دین کو ہندوستان بھیجنے کی فرمائش کی جو انگریزی زبان میں جدید ذہن کو قرآن کی تعلیم دے سکے۔ آپ نے اس خط میں لکھا :

> "ہم نے ارادہ کیا ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایسا ادارہ قائم کریں جس کی نظیر آج تک یہاں وقوع میں نہیں آئی۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ اِس ادارے کو وہ شان حاصل ہو جو دوسرے دینی اور اِسلامی اداروں کی شان سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ ہم نے اِرادہ کیا ہے کہ علوم جدیدہ کے فارغ التحصیل حضرات اور چند علوم دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ ہم اُن کے لئے تہذیب حاضرہ کے شور و شغب سے دور ایک کونے میں ہوسٹل بنانا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے لئے ایک لائبریری بنانا چاہتے ہیں جس میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتابیں موجود ہوں' اور اُن کی رہنمائی کے لئے ہم ایک ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارت تامہ رکھتا ہو نیز انقلاب دور حاضرہ سے بھی واقف ہو' مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اَز راہ عنایت ایک روشن خیال مصری عالم کو جامعہ الازہر کے خرچ پر ہمارے پاس بھیج کر ممنون فرمائیں۔ مجھے توقع ہے کہ دین حق کا نور اِس مرکز سے ہندوستان کے تمام اَطراف و اَکناف میں پھیلے گا۔"

(شیخ عطاء اللہ: اقبال نامہ' حصہ اول' ص ۲۸۱)

افسوس کہ جامعہ الازہر کی طرف سے اِس سلسلے میں معذرت آگئی اور یہ منصوبہ روبہ عمل نہ ہو سکا۔ بہرحال حضرت اقبال نے اپنے فکر رسا اور کلام کے ذریعے وقتاً فوقتاً

تبدیلی اور ترقی پر زور دیئے رکھا اور اِصلاح احوال کی راہ تجویز کرتے رہے۔

حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے اپنی حیات جاوداں کے کم و بیش پچیس سال براہ راست شعبہ تعلیم و تدریس میں گزارے۔ وہ تقریباً اُنیس (۱۹) سال طالب علم رہے اور چار سال بطور اُستاد پیشہ معلّمی سے بھی وابستہ رہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقبال نے نہ تو دوسرے معروف مفکرین تعلیم کی طرح فن تعلیم یا درس و تدریس پر کوئی کتاب لکھی اور نہ ہی مخصوص طریقے سے مستقل، مربوط اور منظم فلسفہ تعلیم پیش کیا۔ البتہ آپ اپنی تقاریر، خطبات، مضامین اور اردو و فارسی کلام میں تعلیم کے مختلف گوشوں پر ایک نئے زاویہ نظر سے روشنی ڈالتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

۱) ۴/اپریل ۱۹۳۳ء کو دہلی میں وائسرائے ہند کی طلب کردہ تعلیمی کانفرنس میں علامہ اقبال کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

۲) اِسی سلسلہ میں لندن میں قائم کی جانے والی سب کمیٹی کے اقبال بھی ممبر تھے۔

۳) سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کے ساتھ مل کر اقبال نے نادر شاہ، شاہ افغانستان کی خصوصی دعوت پر افغانستان کا دورہ کیا اور وہاں کی تعلیمی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں اپنے مشورے دیئے۔

اِن نکات سے یہ صاف عیاں ہے کہ وہ تعلیمی میدان میں کتنا اہم مقام اور کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔

اقبال کے نظریات تعلیم میں سب سے پہلے جس بات پر توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اپنے دوسرے نظریات کی طرح، اقبال اپنے نظریہ تعلیم میں بھی دین اسلام کو بنیاد بناتے ہیں۔ یعنی اُن کا تعلیمی تصور، اِسلامی تصور ہے۔ تعلیم سے بھی وہ اِسلامی تعلیم مراد لیتے ہیں۔ ایک آفاقی اور عالمگیر دین ہونے کی حیثیت سے اِسلام ہی وہ واحد دین ہے جو اِنفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ نوع انسانی کی اِجتماعی زندگی کی اِصلاح و ترقی پر بھی زور دیتا ہے۔ چنانچہ اقبال بھی اپنے نظریات کے باب میں جابجا اِسلام اور قرآن کی آفاقی تعلیمات سے روشنی لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں اقبال علیہ الرحمۃ کے تعلیمی نظریات پیش کئے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے تعلیمی نظریات

تصورِ حقیقت

علامہ اقبالؒ کے نزدیک یہ کائنات خود بخود اور آپ سے آپ وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کو حکیم و دانا اور قادرِ مطلق ہستی یعنی اللہ نے پیدا کیا ہے۔ حقیقت مطلقہ (Absolute Reality) صرف اُسی کی ذات ہے۔ مادی عالم خود حیات سرمدی کی پیداوار ہے' مادی عالم کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔ اللہ کی ذات مطلقہ کی ماہیت ادراک میں نہیں آسکتی۔ خدا کو اقبال "انائے مطلق" یا "انائے کبیر" سے تعبیر کرتے ہیں۔ تمام مخلوقات اسی انائے کبیر اور اسی حقیقت مطلقہ کی ہستی مطلق میں سے سرزد ہوئی ہیں' لیکن خدا چونکہ خود ایک انا ہے' اس لئے وہ "اناؤں" ہی کا خالق ہے۔ تمام کائنات نفوس پر مشتمل ہے جو کہ مختلف مدارج ارتقاء میں ہیں۔ قرآن میں آدم کا تصور اس حقیقت کا اِعتراف ہے کہ حیات اَبدی کے تمام ممکنات انسان میں مضمر ہیں۔ انسانی زندگی کا مقصد و مدعا ان ممکنات کو معرض وجود میں لانا ہے۔ {۱}

حضرت علامہ اقبالؒ کے نزدیک حقیقت ایسے اجزاء کا مجموعہ ہے جو تصادم کے واسطے سے ربط و امتزاج پیدا کر کے کل کی صورت میں تبدیلی کی سعی کر رہے ہیں۔ دراصل بقائے شخصی اور زندگی کے علم و ارتقاء کے لئے تصادم بہت ضروری ہے۔ علامہ کے نزدیک جہد مسلسل ہی زندگی کی حقیقت ہے۔ نیاز فتح پوری کی رائے میں "علامہ اقبال کے تصورِ حقیقت کی بنیاد عشق پر ہے اور عشق دراصل حرکت و عمل کا دوسرا نام ہے"۔ {۲}

علامہ کے نزدیک حقیقت ایک ایسی ذات ہے جو تمام افراد کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے' ایک ایسا کلیہ جس میں تمام کلیات آجاتے ہیں' ایک ایسی قدر جو تمام اقدار کو محیط کئے ہوئے ہے۔ وہ ذات مطلق بذات خود علم کامل' خیر کامل اور حسن کامل ہے۔

تصورِ کائنات

شاعر مشرق علامہ اقبال کے نظریات' سوچ' فکر اور فلسفے عالمگیر اہمیت کے حامل

ہونے کے ساتھ ساتھ آفاقی و عالمگیر سطح کے بھی ہیں۔ اس لئے وہ اپنے تصورِ کائنات میں بھی محدودیت کا شکار نہیں ہوئے۔ اقبال کسی مقید' محدود اور طے شدہ کائنات کے قائل ہی نہیں' ایسی کائنات جس میں کبھی کوئی نئی شے' نئی بات نہ تو وجود میں آئی ہو' نہ ہی آتی ہو۔ بلکہ اقبال نے کلام پاک کی روشنی میں یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ یہ کائنات کسی اتفاقی حادثے کا کرشمہ نہیں اور محض فضول پیدا نہیں کردی گئی' بلکہ یہ اپنے اندر ایک اہم بامعنی صداقت رکھتی ہے۔ اِس کائنات میں پھیلاؤ' ارتقاء اور انقلاب کی صفات موجود ہیں۔

اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس کائنات کو عبث اور فضول نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے ذریعے انسان اور خدا کے تعلق کو سمجھنے میں مدد لی جانی چاہئے۔ دراصل یہ سوچ قرآنی تعلیمات میں تدبر کا نتیجہ تھی کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے :

"ہم نے زمین و آسمان اور ان کی تمام چیزوں کو یونہی بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ ان کی تخلیق حقیقت پر مبنی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔ (الدخان : ۳۸-۳۹)

چنانچہ علامہ اقبال کائنات کو ایک کھیل نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ اسے جامد و ساکت سمجھنے کی بجائے ہر دم پیہم رواں دواں تصور کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں :

"کائنات کی آفرینش اس لئے نہیں ہوئی کہ تخلیق کا عمل ایک کھیل ہے' وہ ایک حقیقت ہے جس کا اعتراف کرنا ہو گا۔ وہ کوئی جامد کائنات نہیں' نہ ایک ایسا موضوع جس کی تکمیل ختم ہو چکی اور جو بے حرکت اور ناقابل تغیر و تبدل ہے۔ برعکس اس کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں ایک نئی آفرینش کا خواب پوشیدہ ہے"۔ {۳}

علامہ اقبال جامد اور قنوطی کائنات کی نفی کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کائنات کی تکمیل و تشکیل ابھی اپنے مراحل میں ہے۔ اس حقیقت کی طرف آپ نے اپنی شاعری میں بھی اشارہ کیا ہے' جیسا کہ بال جبریل میں ہے ؎

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کُن فیکون {۴}

حضرت علامہ اقبال کی تعلیم یہ ہے کہ اِس کائنات میں غور و فکر اور تدبر کیا جائے۔

وہ فرماتے ہیں :

"قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس و قمر' یہ سایوں کا امتداد' یہ اختلاف لیل و نہار یہ رنگ و زبان کا فرق اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی و ناکامی کے دنوں کی آمد و شد' حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اسی لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان پر غور و فکر سے کام لے۔ یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے۔ کیونکہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر بار بار توجہ کی اس دعوت کے ساتھ ساتھ جس کی قرآن نے تعلیم دی ہے' جب مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو پا گئے کہ کائنات میں روانی اور حرکت ہے' وہ متناہی اور اضافہ پذیر ہے' تو انجام کار یونانی فلسفہ کی مخالفت پر' جس کا اپنی حیات ذہنی کے ابتداء میں انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کیا تھا' اتر آئے۔"{۵}

تصورِ علم

اقبال کے نزدیک علم کا تصور یہ ہے "علم درحقیقت شعور ہی کے ایک مرتب اور منظم بیان کا دوسرا نام ہے' لہٰذا شعور کو حیات ہی کے خالصا روحانی اصول کی شکل ٹھہرانا چاہئے"۔{۶}

"ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ علم انسان کی نوعیت تصوری ہے اور تصوری علم کا یہی حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر انسان حقیقت مطلقہ کے مرئی یا قابل مشاہدہ پہلوؤں کی طرف قدم بڑھاتا ہے"۔{۷}

اقبال کے نزدیک علم

۱) باطل شکن ہوتا ہے اور باقاعدہ نظام کے تحت وجود پاتا ہے۔
۲) حق نما' حرکت پذیر اور متنوع ہوتا ہے۔
۳) دل و نظر اور فکر و وجدان کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔

۴) زمانہ 'حیات اور کائنات کو ایک ہی وحدت کے مظاہر تصور کرتا ہے اور یہ کہ سب ارتقائی مدارج طے کر رہے ہیں اور ان کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ "علم کو جدید و قدیم کے مدارج میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ تو اپنے ارتقائی مدارج طے کرتا رہا ہے۔ یہ تو چشمہ حیات ہے جو برابر جاری رہتا ہے۔ ان کا کہنا ہے "علم اپنے فکر و وجدان کی ہم آہنگی ہی سے افراد کے ذہن و کردار کی تربیت کر سکتا ہے"۔ {۸}

اقبال فرماتے ہیں :

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہو جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم
زمانہ ایک' حیات ایک ' کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصہ جدید و قدیم
چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریک نسیم {۹}

اقبال کے نزدیک علم سوز دماغ اور کاوش ذہن کا نتیجہ ہے۔ یہ قوت تسخیر اور قوت تعمیر بھی پیدا کرتا ہے اور احساس کی لذت بھی مہیا کرتا ہے۔ یہ علم ہی ہے جو اہل دانش کو اہل نظر بناتا ہے۔ اقبال کے نزدیک علم کی سب سے بڑی غرض و غایت بھی یہی ہونی چاہئے۔ خواجہ غلام السیدین کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

"علم سے مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ یہ علم 'علم حق کی ابتدا ہے"۔ {۱۰}

علامہ اقبال فرماتے ہیں :

"وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا' اس کا دوسرا نام عشق ہے"۔ {۱۱}

گویا علم اور عشق اقبال کے نزدیک دونوں کے دونوں "علم" ہی ہیں۔ فرق صرف ذریعہ

حصول کا ہے۔ اول الذکر کے ذرائع حصول "حواس" ہیں اور ثانی الذکر کا ذریعہ حصول حواس نہیں بلکہ ماورائے حواس ہے۔ آپ نے اس کی وضاحت اس طرح بیان کی ہے :

"یہ علم (یعنی علم بالحواس) علم حق کی ابتدا ہے اور وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا (یعنی وجدانی علم یا عشق) علم حق کی آخری منزل ہے"۔ {۱۲}

اس کی مزید تشریح آپ نے ایک فارسی شعر میں یوں کی ہے :

علمِ حق اول حواس ' آخر حضور
آخرِ اُو می نہ گنجد در شعور

علم کی اقسام

علامہ اقبال کے نزدیک علم کی اقسام درج ذیل ہیں :

۱) فلسفیانہ مضامین : یہ وہ علوم ہیں جو غور و فکر اور تدبر و تفکر سے وجود میں آتے ہیں۔ ان میں فلسفہ' حکمت' علم ہندسہ اور طب کی تعلیم شامل ہے۔

۲) ادبی و فنی مضامین : وہ علوم جو زبان و ادب اور فن سے متعلق ہوں ان میں ادبیات مثلاً اردو ادب' فارسی ادب' عربی ادب' انگریزی ادب اور فنون لطیفہ کے مضامین شامل ہیں۔

۳) تجربی علوم : وہ علوم جو علمی تجربات سے تعلق رکھتے ہیں۔

۴) سائنسی علوم : وہ علوم جو تجربہ و مشاہدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵) مذہبی علوم : ان میں قرآن و حدیث اور تفسیر کی تعلیم شامل ہے۔

۶) سماجی علوم : ان میں سیاست' اقتصادیات اور معاشیات وغیرہ شامل ہیں۔

۷) معاشرتی علوم : وہ علوم جو معاشرے کے متعلق ہیں۔ مثلاً عمرانیات وغیرہ۔

۸) روحانی علوم : جو صوفیانہ واردات اور تزکیہ نفس کے متعلق ہیں' مثلاً تصوف و سلوک وغیرہ {۱۳}

ذرائع علم

علامہ اقبال نے بنیادی طور پر تین ذرائع علم بیان کئے ہیں :

۱) وحی الٰہی (وحی جلی+وحی خفی)

۲) حواس وادراک' عقل وفہم' مشاہدۂ کائنات

۳) ماورائے حواس وادراک' قلب ووجدان' صوفیانہ واردات

۱) وحی الٰہی : اقبال کی رائے میں وحی الٰہی ہی دراصل علم کی اصل ہے۔ وہ اس کو حقیقت مطلقہ تک رسائی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :

"انبیاء کے علم کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے جس میں غلطی اور خطا کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ان مشاہدات وواردات کو صوفیانہ واردات اور مشاہدات سے مشابہت ہے تو صرف اتنی کہ دونوں صورتوں میں ادراک بالحواس کا عمل معطل رہتا ہے۔ ورنہ انبیاء کے مشاہدات کی حیثیت اپنی جگہ پر مخصوص اور منفرد ہے"۔ {۱۴}

وحی الٰہی کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں :

"تعلیمات قرآنی کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے "حقیقت کے اس پہلو کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے" کو بڑی اہمیت دی ہے"۔ {۱۵}

۲) حواس وادراک : حواس وادراک باعقل کو بھی علامہ ذریعہ علم سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق ان کی آراء یہ ہیں :

۱) یہ علم کی محض ابتداء کا ذریعہ ہے۔

۲) اس علم کو دین کے تابع رکھنا بے حد ضروری ہے۔

۳) اگر اسے دین کے تابع نہ رکھا جائے تو یہ محض شیطنت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اقبال اپنے کلام میں جا بجا "عقل" پر "عشق" کی فوقیت کو ثابت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

بے خطر کُود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی {۱۶}

یعنی عشق' علم کے ان مدارج اور شعور کی ان منازل تک رسائی حاصل کرلیتا ہے جہاں

تک عقل کی رسائی ممکن ہی نہیں۔

۳) قلب و وجدان 'صوفیانہ واردات یا عشق : وجدان کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کے لئے اقبال نے "عشق" "وجدانی علم" یا "علم بالوجی" وغیرہ کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ یہ ایسا علم ہے جس کا ذریعہ حواس کی بجائے ماورائے حواس یا وحی و وجدان ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کے سوتے قلب انسانی سے پھوٹتے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ علم کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتا ہے۔ بہرکیف اقبال کے نزدیک علوم عقلی یا علم بالحواس علوم کی ابتداء اور علوم وجدانی یا عشق 'اس کی انتہا ہے۔

سو یہ تھے تین بنیادی ذرائع علم جن کا بیان اقبال کے تعلیمی نظریات میں ملتا ہے۔ لیکن محمد احمد خان لکھتے ہیں کہ اقبال نے اپنے چوتھے خطبے

THE HUMAN EGO, HIS FREEDOM AND IMMORTALITY

یعنی "انسانی خودی 'اس کی آزادی اور بقا" کے آغاز میں بتایا ہے کہ از روئے قرآن 'علم کے تین ذرائع ہیں۔ یعنی :

1۔ تاریخ' 2۔ خارجی فطرت' 3۔ نفس انسانی {۱۷}

بہرحال جو تین بنیادی ذرائع علم بیان کئے گئے ہیں ان سے حاصل ہونے والے علوم کی تفصیل یہ ہے :

۱) وحی الٰہی (علم شریعت اور تعلیم 'حکمت و دانائی)
۲) صوفیانہ واردات 'وجدان و عشق (روحانی علوم و باطنی علوم وغیرہ)
۳) عقل یا حواس و ادراک (فلسفہ 'سائنس 'جغرافیہ 'آرٹ 'ڈاکٹری وغیرہ)

علم کے ذرائع اور ان سے حاصل ہونے والے علوم اور ان کی اقسام اس شکل سے واضح کی گئی ہیں :

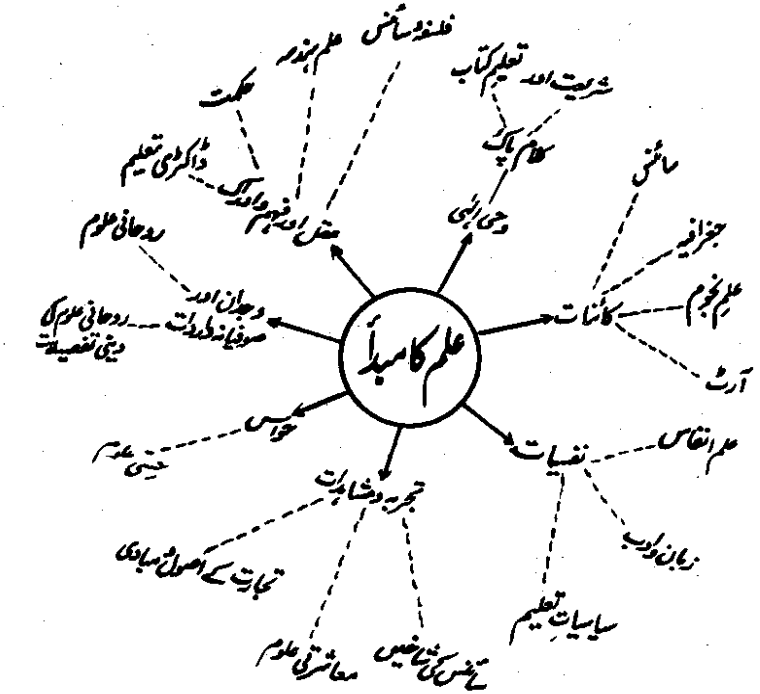

ذرائع علم سے حاصل ہونیوالے علوم اور انکی اقسام

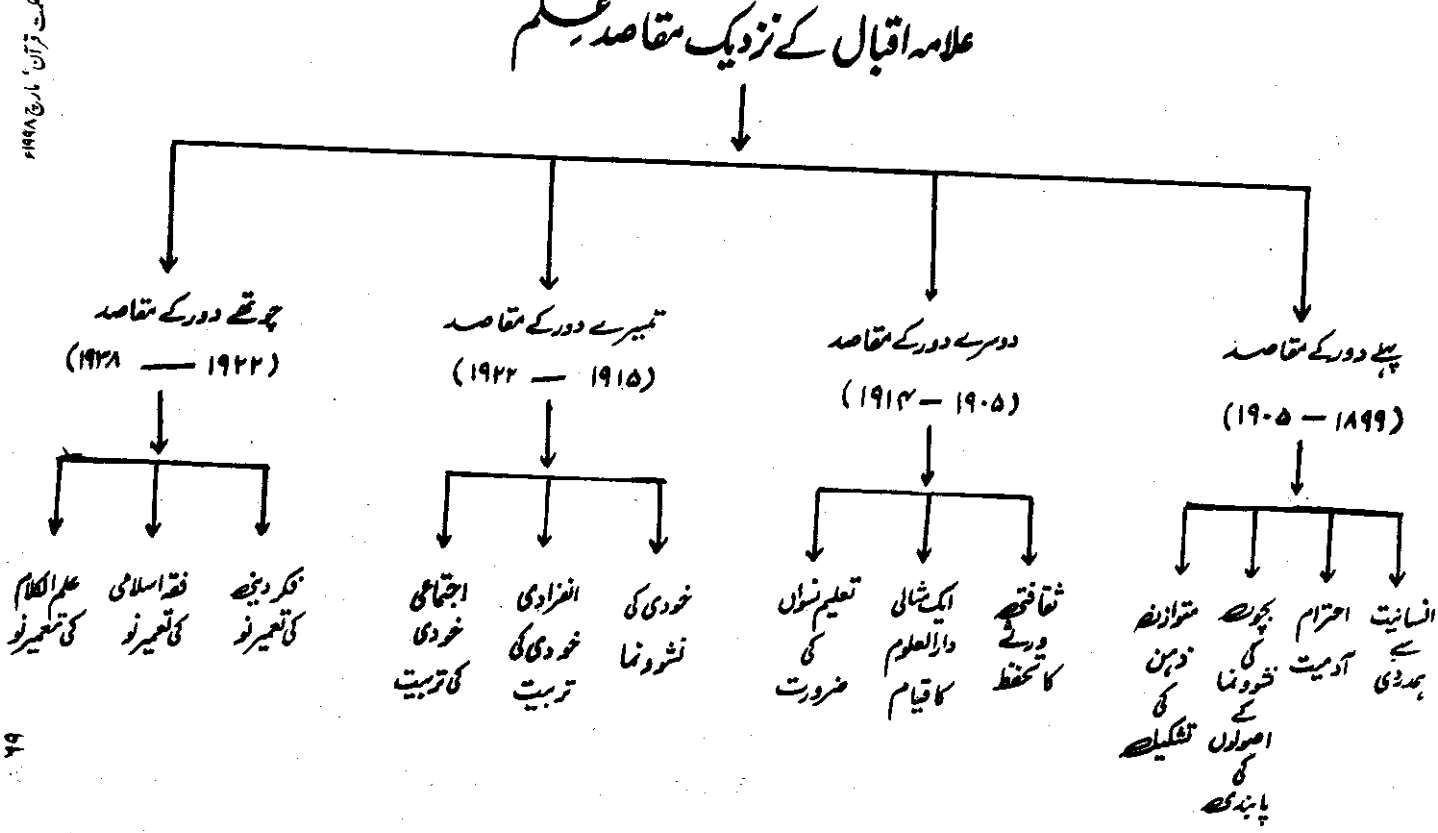

علامہ اقبال کے نزدیک مقاصدِ علم

مقاصدِ تعلیم

مختلف مفکرین نے اقبال کے مقاصد تعلیم پر مختلف حوالوں سے روشنی ڈالی ہے۔ ادارۂ مصنفین پاکستان نے "اقبال کا نظریہ تعلیم" میں اقبال کے مقاصد تعلیم کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے :

۱) ابتدائی تعلیم کے بنیادی مقاصد
۲) بالغ افراد کے مقاصد یا دوسری منزل کے مقاصد

۱) ابتدائی تعلیم کے بنیادی مقاصد : کتاب مذکورہ بالا میں ابتدائی تعلیم کے حوالے سے اقبال کے پیش کردہ مندرجہ ذیل بنیادی مقاصد بیان کئے گئے ہیں :

۱) دینی و اخلاقی تربیت
۲) ثقافت و روایات سے واقفیت
۳) تعمیر کردار
۴) تعلیم بمطابق نفسیات
۵) جذبہ قومیت و حب الوطنی

۲) بالغ افراد کے مقاصد یا دوسری منزل کے مقاصد : دوسری منزل کے یہ مقاصد بیان کئے گئے ہیں :

۱) انفرادیت کی نشوونما (خودی)
۲) عملی قوتوں کا فروغ
۳) جذبہ ایمانی کا فروغ
۴) تسخیر النفس و آفاق
۵) ملت بیضا کا اتحاد و تنظیم {۱۸}

لیکن بختیار احمد صدیقی نے "اقبال بحیثیت مفکر تعلیم" میں اقبال کے مقاصد تعلیم کی تقسیم اس سے مختلف انداز میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"اقبال کے ذہنی ارتقاء کے مختلف مدارج کو سامنے رکھ کر ہم ان کی تعلیمی فکر کو

مندرجہ ذیل چار اَدوار میں تقسیم کرسکتے ہیں :

۱) پہلا دَور (۱۸۹۹ء۔۱۹۰۵ء) اِس دوران آپ نے "بچوں کی تعلیم و تربیت" پر خالص نفسیاتی اصولوں پر مبنی ایک مقالہ لکھا جو جنوری ۱۹۰۶ء کے رسالہ "مخزن" میں شائع ہوا۔

۲) دوسرا دَور (۱۹۰۵ء۔۱۹۱۴ء)۔ اس دور میں آپ انگلستان اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے ہوئے تھے۔

۳) تیسرا دَور (۱۹۱۵ء۔۱۹۲۲ء) اِس دوران آپ کی فارسی مثنوی "اَسرارِ خودی" شائع ہوئی۔

۴) چوتھا دَور (۱۹۲۲ء۔۱۹۳۸ء) اِس دور میں آپ نے "فقہ اسلامی میں اجتہاد کے تصور" پر انگریزی میں ایک مقالہ لکھا۔

آیئے اب ان مختلف ادوار میں اقبال کے مقاصد تعلیم کا جائزہ لیں :

۱) پہلے دور کے مقاصد تعلیم : انسانیت سے ہمدردی' احترام آدمیت' بچوں کی نشوونما کے اصولوں کی پابندی' متوازن ذہن کی تشکیل۔

۲) دوسرے دَور کے مقاصد : ثقافتی ورثے کا تحفظ' ایک مثالی دارالعلوم کا قیام' تعلیم نسواں کی ضرورت۔

۳) تیسرے دَور کے مقاصد تعلیم : خودی کی نشوونما' انفرادی خودی کی تربیت' اجتماعی خودی کی تربیت۔

۴) چوتھے دَور کے مقاصد تعلیم : فکر دینی کی تعمیرنو' فقہ اسلامی کی تعمیرنو' علم الکلام کی تعمیرنو وغیرہ۔ {۱۹}

نصابِ تعلیم

عمل تعلیم میں نصاب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ نصاب دراصل وہ لائحہ عمل ہے جو مقاصد تعلیم کے حصول کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ نصاب کی اہمیت کے پیش نظر بہت سے مفکرین نے اپنی سمجھ کے مطابق مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ اقبال نے اپنے دور کے

مروجہ نصاب (دینی و دنیوی) پر شدید تنقید کی ہے اور اصلاح احوال کے لئے اپنی رائے پیش کی ہے۔

نصاب کے سلسلہ میں اقبال نے بھی بعض مضامین کی تدریس کی خصوصی تلقین کی ہے۔ کسی بھی مکمل نظام تعلیم میں چار پانچ مضامین تو ضروری ہوتے ہیں۔ ان مضامین کا ایک سلسلہ وہ ہے جنہیں فلسفیانہ مضامین کہتے ہیں اور دوسرا جنہیں وہ ادبی و فنی مضامین یا ادبیات اور فنون لطیفہ کا نام دیتے ہیں۔ تیسرا سلسلہ مضامین وہ ہے جنہیں تجربی علوم کہا جاتا ہے' مثلاً سائنسی علوم جن کا تعلق زیادہ تر تجربے اور مشاہدے سے ہے۔ ان کے علاوہ اور ان سب سے اہم اقبال کے نزدیک ایک سلسلہ مضامین اور بھی ہے جسے وہ علم دین سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک سلسلہ اقبال کے نزدیک سماجی علوم کا ہے۔

ان علوم کے بعد تاریخ کا علم اقبال کے نزدیک بہت علم ہے۔ اقبال جب دیکھتے ہیں کہ مروجہ نظام تعلیم کو صرف ذریعہ معاش تک ہی محدود کر لیا گیا ہے اور انسان معاش کے ہاتھوں مجبور ہو کر غلامی و بے نوائی اختیار کئے ہوئے تو انہیں قلق ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش {۲۰}

تعلیم کو اسی طرح معاشی نقطہ نظر تک محدود رکھنے نے ہمیں شکم کا غلام بنا دیا ہے اور ہم فطرت کے اسرار و رموز کے ادراک سے محروم ہو گئے ہیں۔

نصاب کے سلسلہ میں مضامین کے انتخاب کے حوالے سے اقبال فرماتے ہیں :

"نصاب میں ایسے مضامین کا انتخاب ہونا چاہئے جس میں زندگی کا روشن پہلو جھلکتا ہو' تاکہ طلبہ ان کے مطالعے کے بعد کشمکش حیات میں استقلال' خودداری اور اعتماد کے ساتھ حصہ لے سکیں۔" {۲۱}

محمد احمد خان نے نصاب کے حوالے سے مندرجہ ذیل نکات کے ذریعے علامہ اقبال کے تصور نصاب کو بیان کیا ہے :

☆ نئی دینیات اور نئے علم کلام کی تدوین کی جائے۔
☆ اسلامی فقہ کی تشکیل جدید کی جائے۔

☆ قدیم دینی مکاتب کے فارغ التحصیل افراد کو جدید ریاضی' سائنس اور فلسفہ کی تعلیم دی جائے۔ ان میں سے جو افراد سائنس میں ریسرچ کا ذوق رکھتے ہوں انہیں اس میں ریسرچ کا موقع دیا جائے۔

☆ تاریخ پر بھی ان (طلبہ) کی گہری نظر ہونی چاہئے۔

☆ اسلامی علوم کے تمام شعبوں مثلاً قرآن' حدیث کلام فقہ اور تفسیر وغیرہ کا تحقیقی مطالعہ کرانا ہو گا۔

☆ یہ مطالعہ بالواسطہ نہ ہو یعنی یہ کہ ان تمام شعبوں کی متعلقہ کتب کے انگریزی یا اردو تراجم سے کام نہیں چلے گا' بلکہ انہیں ان کی اصلی زبان (عربی) میں پڑھنا ہو گا۔

☆ اسلامی ریسرچ کے شعبہ میں شریک یہ طلبہ ساتھ ساتھ یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ' بی۔ اے اور ایم۔ اے کریں۔ یہاں وہ لازمی انگریزی' علوم طبعی (سائنس)' ریاضی فلسفہ اور معاشیات میں سے حسب مرضی مضامین لے سکتے ہیں۔ {۲۲}

معلّمِ مطلوب

عقل نظری کی تربیت ہو یا عقل عملی کی' تحصیل علم مقصود ہو یا سیرت کی تعمیر' استاد شاگرد پر سب سے زیادہ اہم اثر ڈالنے والی شخصیت ہے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ بچوں کی نشو و نما کے اصولوں سے بخوبی واقف ہو' اپنے مضمون پر پوری گرفت رکھتا ہو اور ساتھ ہی ساتھ مثالی عملی نمونے کا حامل ہو۔ اقبال اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :

"معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں کیونکہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور ان کو ملک کی خدمت کے قابل بنانا انہیں کی قدرت میں ہے۔ سب محنتوں سے اعلیٰ درجے کی محنت اور سب کارگزاریوں سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری ملک کے معلموں کی کارگزاری ہے' اگرچہ بدقسمتی سے اس ملک میں اس مبارک پیشے کی وہ قدر نہیں ہے جو ہونی چاہئے۔ معلم کا فرض تمام فرضوں سے مشکل اور اہم ہے کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی' تمدنی اور مذہبی نیکیوں کی کلید اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور تمام قسم کی ملکی ترقی کا سرچشمہ اسی کی محنت ہے۔ پس تعلیم پیشہ اصحاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیشے کے تقدس اور بزرگی کے لحاظ سے اپنے طریق تعلیم کو

اعلیٰ درجے کے علمی اصولوں پر قائم کریں۔"{۲۳}

علامہ فرماتے ہیں ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی؟ {۲۴}

علامہ اقبال ایک مثالی معلم کے لئے مندرجہ ذیل صفات ضروری قرار دیتے ہیں۔

۱۔ خود شناس : علامہ کے نزدیک ایک معلم مطلوب میں یہ خصوصیت ہونی چاہئے کہ وہ اپنی خودی کی پہچان رکھتا ہو۔ وہ اپنے اور انسان کے مقام سے واقف ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ خود اپنی خودی سے آگاہ ہو گا تب ہی وہ اپنے طالب علم کے اندر یہ صفت پیدا کر سکے گا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ؎

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام {۲۵}

۲۔ جلالی و جمالی : اقبال فرماتے ہیں :

"اسی طرح استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خودی کو جلالی اور جمالی' دونوں قوتوں سے مزین کرے۔ کیونکہ جب ہی جا کر وہ طلبہ کی فکری و جدانی تربیت کر سکے گا"۔ {۲۶}

بفحوائے کلام اقبال ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن {۲۷}

۳۔ حقیقت پسند : اقبال اپنے معلّم کو حقیقت پسند دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اسے رہبانیت کی بجائے معاشرے میں رہ کر' معاشرے کی ٹھوس حقیقتوں کے سامنے اپنا کردار ادا کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری {۲۸}

۴۔ متحرک ہستی : اقبال ایک ایسے معلم کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو متحرک اور باعمل

ہو۔ آپ ”مستحکم کردار“ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بچے کے چیخنے اور جھپٹ کر پلٹنے کو خون گرم رکھنے کا بہانہ قرار دیتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ استاد اپنی قوت کو تعمیری کاموں میں لگائے اور فطرت کے اصولوں کے مطابق بچوں کی نشوونما کا اہتمام کرے۔

علاوہ ازیں تدریسی فرائض کے دوران سنجیدگی، متوازن رویہ، وسعت مطالعہ، دلکش طرز تدریس، معلمانہ وقار، مشفقانہ برتاؤ، محنت و توجہ اور کسب حلال وغیرہ وہ خوبیاں ہیں جو معلم مطلوب کے کردار کا بنیادی حصہ ہیں۔

متعلّم مطلوب

اقبال علیہ الرحمہ طلبہ کے الحاد پرستانہ اور مذہب بیزار رویے سے خائف تھے، آپ فرماتے ہیں۔ ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ [۲۹]

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف [۳۰]

چنانچہ آپ ایک مثالی طالب علم میں یہ خوبیاں دیکھنا چاہتے ہیں:

۱۔ شاہین صفت : اقبالؒ اپنے مثالی نوجوان کے لئے ”شاہین“ جیسی رمز بلیغ لاتے ہیں اور انہیں ”شاہین“ میں وہ تمام صفات جلیلہ و جمیلہ نظر آتی ہیں جو آپ کے شاہین میں موجود تھیں۔ بلند پروازی، حرکت و عمل، تھکن سے بے نیازی، نئے جہانوں کی تلاش اور اپنا شکار آپ کرنا وہ بنیادی خصوصیات تھیں جو اقبال کو اس پرندے میں بہت بھاتی تھیں اور انہی صفات کو اقبال اپنے نوجوانوں کی زندگی میں دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ ان مدارس سے بہت شکوہ کناں تھے جو بچوں کو بلند پروازی کی بجائے خاکبازی کا درس دیں۔ کہتے ہیں ؎

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دیتے ہیں خاک بازی کا [۳۱]

۲ ۔ صاحب کتاب : اقبال' طالب علم کو کتابی کیڑا بننے کی بجائے صاحب کتاب بننے اور زندگی کے حقائق کا معروضی مشاہدہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں [۳۲]

۳ ۔ علم کا شائق : اقبال کہتے ہیں کہ طالب علم علم کا شائق ہو' اس میں علم حاصل کرنے کی تڑپ ہو۔ اسی مقصد کے تحت اقبال نے بچوں کے لئے ایک خوبصورت دعا لکھی جو اب بھی سکولوں میں "اسمبلی" کے وقت بچے مل کر پڑھتے ہیں۔ اِس دعا کا ایک ایک شعر' علم کی تڑپ اور شوق میں ڈوبا ہوا ہے۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
دور دنیا کا مرے دَم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
زندگی ہو میری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب [۳۳]

علاوہ ازیں علم کی طلب اور جنون کی حد تک اس کے اشتیاق کا عملی درس اقبال خود اپنی زندگی سے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ تشریف لے جانے والے تھے تو حضرت محبوب الٰہی' نظام الدین اولیاء کے دربار اقدس پر حاضر ہوئے اور "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک خوبصورت دعائیہ نظم تحریر کی۔ اس میں آپ

فرماتے ہیں ؎

وطن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذّت کشاں کشاں مجھ کو {۳۴}

۴ ۔ دینی و مذہبی ذوق : اقبال علیہ الرحمہ سمجھتے تھے کہ اس الحاد پرستانہ اور مادی دور میں طلبہ کو دینی تعلیمات سے بہرہ مند کرنا بہت ضروری ہے۔ اقبال کی رائے یہ تھی کہ ماہرین مذہب اور ماہرین تعلیم کو اجتہادی کام سرانجام دینا چاہئے تاکہ مذہب کی تعلیمات' زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں بھی انسانی راہنمائی کر سکیں اور دور جدید کے نت نئے مسائل کا حل تلاش کرنے میں آسانی رہے۔

۵ ۔ پختگی کردار : اقبال علیہ الرحمۃ طلبہ کو بلند خودی اور پختگی کردار کی تلقین فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

مصاف زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبّت میں حریرو پرنیاں ہو جا {۳۵}

آپ چاہتے تھے کہ طالب علم جسمانی اور روحانی طور پر مضبوط اور طاقتور ہو۔ "شاہین" کا استعارہ بھی گواہ ہے کہ اقبال طلبہ میں جسمانی مضبوطی کی طرح خودی' خود داری اور حرکت و عمل کا انتہائی جذبہ موجزن دیکھنا چاہتے تھے۔

۶ ۔ پیکرِ محبت : اقبال کے متعلّم مطلوب میں ایک اور اہم خوبی یہ ہونی چاہئے کہ وہ محبت و اخوت اور دوستی و بھائی چارے کا پیکر ہو۔ اقبال کا محبت کے بارے میں ایک واضح نقطہ نظر ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

"محبت سے خودی مضبوط ہوتی ہے۔ یہ لفظ بہت وسیع معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی خواہش کو جذب کرنے کے ہیں اور اس کی اعلیٰ ترین صورت عرفان ہے جو انفرادیت پیدا کر سکتی ہے تو فرد اور خدا کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والا تعلق قائم ہو جاتا ہے جس سے کردار میں پختگی آتی ہے۔"

تعلیمِ نسواں

اقبال علیہ الرحمۃ معاشرے میں عورت کے مقام سے بخوبی واقف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کائنات میں عورت کے وجود سے اور اس کی ذات سے رونق ہے اور اسی کے دم سے بقائے انسانیت کا راز وابستہ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں {۳۶}

عورت اور اس کی تعلیم کی اہمیت کے بارے میں اقبال فرماتے ہیں :

"ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ تمدن کی جڑ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں اور اپنی قوم کی عورتوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں۔ مرد کی تعلیم صرف ایک فرد واحد کی تعلیم ہے مگر عورت کو تعلیم دینا حقیقت میں تمام خاندان کو تعلیم دینا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اگر اس قوم کا آدھا حصہ جاہل مطلق رہ جائے"۔ {۳۷}

مندرجہ بالا اقتباس سے بالکل واضح ہے کہ اقبال عورت کو جاہل رکھنے کے مخالف ہیں اور عورت کی تعلیم کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے وہ تین دلائل پیش کرتے ہیں :

۱۔ عورت تمدن کی جڑ ہے اور تمدن کی نشوونما' عورت کی تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

۲۔ مرد جو تعلیم حاصل کرتا ہے اس کا فائدہ بالعموم اس کی ذات تک محدود رہتا ہے جبکہ عورت اپنے بچوں کو تعلیم دے کر آئندہ نسلوں کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے' یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عورت خود تعلیم یافتہ ہو۔

۳۔ عورت کسی بھی قوم کا نصف حصہ ہوتی ہے۔ عورت کو تعلیم نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ آدھی قوم جاہل اور اَن پڑھ رہ گئی ہے اس لئے بھی عورت کی تعلیم بے حد ضروری ہے۔

لیکن یہاں یہ سوال بہت اہم ہے کہ عورت کو کونسی تعلیم دی جانی چاہئے۔ یہ سوال حضرت اقبال خود اٹھاتے ہیں :

"اس ضمن میں ایک غور طلب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مشرقی عورتوں کو مغربی طریق کے مطابق تعلیم دی جائے یا کوئی ایسی تدبیر کی جائے جس سے ان کے شریفانہ اطوار' جو مشرقی دل و دماغ کے ساتھ خاص ہیں' قائم رہیں"۔ {۳۸}

پھر سوال کا جو جواب اقبال نے تجویز کیا وہ یہی تھا کہ

"لڑکیوں کو ابتداء میں مذہبی تعلیم دی جائے اور اس کے بعد انہیں اسلامی تاریخ' علم تدبیر خانہ داری اور علم اصول حفظان صحت پڑھایا جائے جس سے ان کی دماغی صلاحیتیں اس حد تک نشو و نما پا جائیں گی کہ وہ اپنے شوہروں سے تبادلہ خیالات کر سکیں گی اور وہ تمام فرائض جو عورت کے فرائض اولین کہے جا سکتے ہیں' حسن و خوبی سے انجام دینے کے قابل ہو جائیں گی۔

وہ تمام مضامین جو عورت کی نسوانیت کی نفی کرتے ہوں یا اسے اسلام کی حلقہ بگوشی سے آزاد کروانے والے ہوں وہ نصاب تعلیم سے خارج کر دینے پر اقبال رحمتہ اللہ نے بہت زور دیا ہے۔ نیز مخلوط تعلیم کے لئے اقبال کسی قیمت پر تیار نہ تھے"۔ {۳۹}

ایک اور جگہ پر اقبال تعلیم نسواں کے متعلق رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں

جس علم کی تاثیر سے زَن ہوتی ہے نازَن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بے گانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت {۴۰}

ان اشعار سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں :

۱۔ عورتوں کو تعلیم اس انداز سے بالکل نہیں دی جانی چاہئے جس سے ان کی نسوانیت ختم ہو اور وہ "زن" سے "نازن" بن جائیں۔

۲۔ "مدرسۂ زن" یعنی عورتوں کے تعلیمی اداروں کو یا دوسرے لفظوں میں عورتوں کی تعلیم کو دین سے بیگانہ بالکل نہیں ہونا چاہئے۔

بہرکیف تعلیم نسواں کے متعلق علامہ کی جامع ترین رائے یہ ہے کہ :

"ایک قوم کی حیثیت سے ہمارے استحکام کا انحصار مذہبی اصولوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے پر ہے۔ جس لمحہ یہ گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ شاید ہمارا حشر یہودیوں جیسا ہو جائے۔ تو پھر ہم اس گرفت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ کسی قوم میں مذہب کا محافظ خاص (Principal Depository) کون ہوتا ہے؟ عورت اور صرف عورت! اسی لئے مسلمان عورت کو عمدہ معقول و معتبر دینی تعلیم ملنی چاہئے کیونکہ وہی فی الواقعی قوم کی معمار ہے۔ میں مطلقاً آزاد طریقہ تعلیم (Absolute System of Education) کا قائل نہیں ہوں۔ دیگر تمام امور کی طرح طریقہ تعلیم کا تعین بھی ایک قوم کی ضروریات کے ماتحت ہونا چاہئے۔ ہمارے مقصد کے لئے مسلمان لڑکیوں کی دینی تعلیم کافی ہے"۔ {۴۱}

مروّجہ نظام تعلیم پر تنقید

برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں کی حکومت کے قیام سے مسلمانوں کو جو اور بہت سے خطرات درپیش ہوئے' ان میں سے ایک اہم خطرہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی تعلیم کا خاطر خواہ بندوبست نہیں تھا۔ اس خطرے کو سب سے پہلے سرسید احمد خان نے محسوس کیا اور اس کا حل یہ تجویز کیا کہ مسلمانوں کو اپنی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم سے بھی آراستہ ہونا چاہئے۔ یوں برصغیر کے مسلمانوں کو تعلیم جدید سے روشناس کرانے کا سہرا سرسید احمد خان کے سر ہے۔ اقبال' سرسید کے اس خیال سے متفق تھے۔ "بانگ درا" کی ایک نظم میں اقبال' سرسید احمد خان کو "مرشد اور رہبر" کے القاب سے یاد کرتے ہوئے آپ کی تعلیمی تحریک کا ذکر کرتے ہیں۔ اس خوبصورت نظم میں اقبال' سرسید کی تعلیمی تحریک کو "فرمانِ خضر" سے تعبیر کرتے ہیں اور نظم کے آخری شعر میں آپ کی تحریک کا ساتھ دینے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

مرشد کی یہ تعلیم ہے اے مسلمِ شوریدہ سر — لازم ہے رہرو کے لئے دنیا میں سامان سفر
بدلی زمانہ کی ہوا' ایسا تغیر آ گیا — تھے جو گراں قیمت کبھی' اب ہیں متاع کس مخر
وہ شعلہ روشن ترا' ظلمت گریزاں جس سے تھی — گھٹ کر ہوا مثل شرر تارے سے بھی کم نور تر

شیدائی غائب نہ رہ، دیوانہ موجود ہو — غالب ہے اب اقوام پر معبود حاضر کا اثر
ممکن نہیں اس باغ میں کوشش ہو باآور تیری — فرسودہ ہے پھندا ترا زیرک ہے مرغ تیز پر
اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا — ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشتر
رہبر کی ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے — واجب ہے صحرا گرد پر تعمیل فرمان خضر {۴۲}

لیکن خالص مغربی تعلیم اور مذہبی تعلیم کے بغیر حاصل کی جانے والی جدید تعلیم سے آپ سخت نالاں بھی تھے۔ اقبال کے نزدیک جدید تعلیم کی خرابیاں یہ ہیں۔

بے ادبی و بدتمیزی

اقبال کے خیال میں موجودہ جدید تعلیم کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ نوجوان نسل کو بے ادب اور بدتمیز بنا رہی ہے۔ وہ اکبر الہ آبادی کے طنزیہ اور ظریفانہ انداز میں کہتے ہیں۔

تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض — دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ "بل پیش کیجئے" {۴۳}

شیخی خوری

اس جدید تعلیم نے نوجوان کو نہ صرف بے ادب اور بدتمیز بلکہ شیخی خور بھی بنا دیا ہے ؎

تعلیم مغربی ہے بہت جرات آفریں — پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج میں مارڈینگ {۴۴}

اقبال، نوجوانوں کی بے ادبی، بدتمیزی، بے جا غرور و تعلی سے دل گرفتہ ہیں۔

بے جا نمود و نمائش

اقبال علیہ الرحمہ کو جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں سے سب سے بڑا شکوہ یہ تھا کہ جدید تعلیم نے نوجوانوں کو ظاہری نمود و نمائش پر جان دینے والا، عیش کوش و عشرت پسند، تن آسان اور آرام طلب بنا دیا ہے۔

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے، جوانوں کو تن آسانی

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی {۴۵}

سوز و گداز سے خالی

اقبال علیہ الرحمہ کے خیال میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ جوان' خلوص و محبت سوز و گداز اور ایثار و قربانی کے لطیف و پاکیزہ جذبات سے خالی ہیں

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن پُرکار سخن ساز ہے' نمناک نہیں ہے {۴۶}

محبت و معرفت کی کمی

اقبال مروجہ تعلیم سے اس لئے بھی خفا ہیں کہ وہ طلبہ میں محبت و معرفت پیدا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی' نہ محبت' نہ معرفت نہ نگاہ {۴۷}

وہ اس تلخ حقیقت پر سخت غمگین تھے کہ جدید تعلیم نے آوازۂ حق و صداقت کو بلند کرنے کا درس دینے کی بجائے نوجوانوں کو مصلحت پسندی کا عادی بنا دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ {۴۸}

آپ ایک خطبہ میں فرماتے ہیں :

"عصر حاضر کی ذہنی سرگرمیوں میں جو نتائج مرتب ہوئے' ان کے زیر اثر انسان کی روح مردہ ہو چکی ہے' یعنی وہ اپنے ضمیر اور باطن سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ زندگی کے اعلیٰ مراتب کے لئے اس کی جد و جہد بتدریج ختم ہو رہی ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ وہ درحقیقت زندگی ہی سے اکتا چکا ہے۔" {۴۹}

الحاد و بے دینی

اقبال کو نوجوانوں کی تعلیم جدید سے ایک گلہ یہ بھی تھا کہ وہ انہیں دین' مذہب' خدا

اور احکاماتِ خدا سے دُور لئے جارہی تھی اور ان کے دلوں میں الحاد پرستی اور بے دینی کے بیج بوئے جارہی تھی۔ اسی لئے آپ اس نظام تعلیم کو ایک سازش قرار دیتے ہیں ؎

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف {۵۰}

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ {۵۱}

مروّجہ دینی تعلیم پر تنقید

علامہ اقبال اسلامی مدارس میں دی جانے والی نام نہاد دینی تعلیم سے بھی نالاں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ تعلیم اور اس کا طریقہ تدریس فرسودہ ہو چکے ہیں اور عصر جدید کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونے سے قاصر ہیں۔ اسی لئے اقبال کے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے بختیار حسین صدیقی لکھتے ہیں :

"جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے' کہا جاسکتا ہے کہ قدیم دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرح نو کے مقابلے میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اسی لئے اقبال ایک نئی دینیات اور کلام کی تعمیر و تشکیل کے خواہاں تھے۔" {۵۲}

یوں آپ کے نظریات و افکار کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال جدید تعلیم کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے مروجہ دینی نظام سے بھی نالاں تھے۔ ایک کو اگر وہ "زندگی و محبت" سے خالی قرار دیتے ہیں تو دوسرے یعنی دینی نظام تعلیم کو "معرفت و نگاہ" سے عاری سمجھتے ہیں۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی' نہ محبت' نہ معرفت' نہ نگاہ {۵۳}

دراصل اقبال کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ دینی تعلیم انسان کو معرفت خدا سے، عشق حقیقی کی لذتوں سے اور کائنات رنگ و بو کے اسرار و رموز سے آشنا کردے۔ لیکن جب آپ اپنے گرد و پیش میں دینی تعلیم کے مدارس میں ان مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچتا ہوا نہ دیکھتے تھے اور انہیں فروعی مسائل کی لاحاصل بحث میں الجھا ہوا پاتے تھے تو ناپسندیدگی اور اکتاہٹ کی کیفیت کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں ؎

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذّتِ اَسرار بھی ہے؟ {۵۴}

مذہب اور سائنس

سائنس، منظم، درست اور تجرباتی و مشاہداتی علم کا نام ہے۔ سائنس سے بالعموم ہم علوم جدیدہ مراد لیتے ہیں۔ سائنس کا وہ پہلو جو کائنات، چاند، ستاروں اور سیاروں وغیرہ کو مسخر کرنے اور ان کے بھید معلوم کرنے کے متعلق ہے اقبال اس کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے اور اُسی کے داعی تھے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک {۵۵}

اسی انداز میں ایک مقام پر اس امر کی طرف قدرے شدت سے اشارہ کرتے ہیں

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے {۵۶}

آپ سائنس کو مذہبی یا اسلامی تعلیمات سے جدا یا متصادم نہیں سمجھتے تھے، بلکہ مذہب اور سائنس کے تصادم کا تصور ہی باطل ہے۔ ۴/ مارچ ۱۹۲۸ء کو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی۔ اپنے صدارتی خطبے میں علامہ اقبال نے فرمایا :

"مذہب، فلسفہ، طبیعیات اور دیگر علوم و فنون سب کے سب مختلف راستے

ہیں جو ایک ہی منزل مقصود پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ مذہب اور سائنس کے تصادم کا خیال اسلامی نہیں کیونکہ سائنس یعنی علوم جدیدہ اور فنون حاضرہ کے باب کھولنے والے تو مسلمان ہی ہیں اور اسلام ہی نے انسان کو منطق کا استقرائی طریق سکھایا اور علوم کی بنیاد نظریات اور قیاسات پر رکھنے کے طریق کو مسترد کرنے کی تعلیم دی۔ اور یہی بات علوم جدیدہ کی پیدائش کا موجب ہوئی۔ سائنس اور مذہب کے تصادم کا خیال غیر اسلامی ہے۔ قرآن کریم کے ہر صفحہ پر انسان کو مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعے علم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور منتہائے نظر یہ بتایا گیا ہے کہ قوائے فطرت کو مسخر کیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم تو صاف الفاظ میں انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر وہ قوائے فطرت پر غلبہ حاصل کر لیں تو ستاروں سے بھی پرے پہنچنے کے قابل ہو جائیں گے۔" {۵۷}

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں {۵۸}

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں ؎

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے {۵۹}

(جاری ہے)

حواشی

{۱} خلیفہ عبدالحکیم : فکر اقبال' ص ۵۹۲۔۵۹۳
{۲} نیاز فتح پوری : اقبال کا فلسفہ خودی
{۳} ڈاکٹر علامہ محمد اقبال : تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' ترجمہ نذیر نیازی' ص ۱۵۔۱۶
{۴} علامہ محمد اقبال : بال جبریل' کلیات اقبال' ص ۳۲۰
{۵} ڈاکٹر علامہ محمد اقبال : تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' ترجمہ نذیر نیازی' ص ۱۹۶۔۱۹۷
{۶} محمد احمد صدیقی : اقبال کے تعلیمی نظریات' ص ۲۳
{۷} محمد احمد صدیقی : اقبال کے تعلیمی نظریات' ص ۲۳
{۸} محمد جاوید نقشبندی : علامہ اقبال اور علامہ طاہر القادری کے تعلیمی نظریات کا موازنہ' ص ۲۷

{۹} علامہ محمد اقبال : ضرب کلیم ،کلیات اقبال ،ص ۴۸۸
{۱۰} محمد احمد صدیقی : اقبال کے تعلیمی نظریات ،ص ۱۷۵-۱۷۶
{۱۱} غلام السیدین : اقبالز ایجوکیشنل فلاسفی ،ص ۹۹
{۱۲} غلام السیدین : اقبالز ایجوکیشنل فلاسفی ،ص ۹۹
{۱۳} علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ اور علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تعلیمی نظریات کا موازنہ ،ص ۳۷، ۶۳
{۱۴} اقبالز ایجوکیشنل فلاسفی ،ص ۳۳۴
{۱۵} تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ،ص ۲۰
{۱۶} علامہ اقبال : بانگ درا ،کلیات اقبال ،ص ۲۷۸
{۱۷} اقبالؒ اور مسئلہ تعلیم ،ص ۳۳۸
{۱۸} اقبال کا نظریہ تعلیم ،ص ۱۴ تا ۱۷
{۱۹} اقبال بحیثیت مفکر تعلیم ،ص ۲ تا ۲۲
{۲۰} علامہ اقبال : ضرب کلیم ،کلیات اقبال ،ص ۵۴۵
{۲۱} محمد فاروق جوش : اقبال اور تعلیم ،ص ۱۱۶
{۲۲} اقبال رحمتہ اللہ علیہ اور مسئلہ تعلیم ،ص ۴۰۵ تا ۴۱۲
{۲۳} عبدالواحد معینی : مرتب ،مقالات اقبال ،ص ۹
{۲۴} علامہ اقبال : بال جبریل ،کلیات اقبال ،ص ۳۰۶
{۲۵} علامہ محمد اقبال : ضرب کلیم ،کلیات اقبال ،ص ۴۸۶
{۲۶} محمد جاوید نقشبندی : علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تعلیمی نظریات کا موازنہ ،ص ۵۷
{۲۷} علامہ محمد اقبال : ضرب کلیم ،کلیات اقبال ،ص ۵۰۷
{۲۸} علامہ محمد اقبال : ارمغان حجاز ،کلیات اقبال ،ص ۶۸۰
{۲۹} علامہ محمد اقبال : بانگ درا ،کلیات اقبال ،ص ۲۰۹
{۳۰} علامہ محمد اقبال : بانگ درا ،کلیات اقبال ،ص ۲۰۹
{۳۱} علامہ محمد اقبال : بال جبریل ،کلیات اقبال ،ص ۲۶۰
{۳۲} علامہ محمد اقبال : ضرب کلیم ،کلیات اقبال ،ص ۴۵۰
{۳۳} علامہ محمد اقبال : بانگ درا ،کلیات اقبال ،ص ۲۳

{۳۴} ایضاً " " " ص ۷۰
{۳۵} ایضاً " " " ص ۲۱۶
{۳۶} علامہ محمد اقبال : ضرب کلیم، کلیات اقبال، ص ۴۶۰
{۳۷} بختیار حسین صدیقی : اقبال بحیثیت مفکر تعلیم، ص ۱۰۵
{۳۸} سید عبدالواحد، معینی، مقالات اقبال، ص ۵۷
{۳۹} اقبال کا نظریہ تعلیم، ص ۲۲
{۴۰} علامہ محمد اقبال : ضرب کلیم، کلیات اقبال، ص ۴۶۱
{۴۱} بحوالہ : اقبال اور مسئلہ تعلیم، ص ۴۷۰-۴۷۱
{۴۲} علامہ محمد اقبال : بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۱۸۹-۱۹۰
{۴۳} علامہ محمد اقبال، بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۲۵
{۴۴} علامہ محمد اقبال : بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۲۵
{۴۵} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۴۱۱
{۴۶} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۳۲۵
{۴۷} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۳۳۸
{۴۸} ایضاً
{۴۹} تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص ۲۸۹-۲۹۰
{۵۰} علامہ محمد اقبال : ضرب کلیم، کلیات اقبال، ص ۵۴۸
{۵۱} علامہ محمد اقبال : بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۰۹
{۵۲} اقبال علیہ الرحمہ کے تعلیمی نظریات، ص ۵۳
{۵۳} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۳۳۸
{۵۴} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۳۵۶
{۵۵} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۳۵۸
{۵۶} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۳۵۸
{۵۷} علامہ محمد اقبال اور علامہ محمد طاہر القادری کے تعلیمی نظریات کا موازنہ، ص ۶۳
{۵۸} علامہ محمد اقبال : بال جبریل، کلیات اقبال، ص ۳۵۳
{۵۹} علامہ محمد اقبال : بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۶۹